© rasailojaraid.com

اقبال اور وجودیت

(ڈاکٹر محمد نور نبی ریڈر۔ شعبۂ فلسفہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

(۲)

علامہ مزید فرماتے ہیں "جب ہم حقیقت کا کوئی مثبت تصور قائم کرتے اور اس کی بنا اس امر پر رکھتے ہیں کہ ہمارے اپنے محسوسات و مدرکات (EXPERIENCE) میں اس کا انکشاف جس طرح ہوتا ہے اس لحاظ سے اس کی نوعیت کا تعین کریں تو پھر منطقی نقیضین کا سوال پیدا کرنا بے سود ہوگا۔ اس لئے جب ہم اپنے محسوسات و مدرکات کا جائزہ لیتے ہیں تو اس سے یہی تو ثابت ہوتا ہے کہ حقیقت مطلقہ ایک بابصر حیات (RATIONALLY DIRECTED LIFE) ہے اور جیسا کہ ہمیں اس کا احساس خود اپنی ذات میں ہوتا ہے ہمیشہ اپنے آپ میں پیوست اور کسی نقطے پر مرکوز رہتی ہے۔ لہٰذا اس حقیقت کے پیش نظر حیات مطلقہ کا تصور اگر "انا" کی شکل میں کیا گیا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس ذات سے جو علیم و خبیر ہے اور اس کے ساتھ ساتھ شئے معلوم کی اساس بھی "علم استدلالی (DISCURSIVE KNOWLEDGE)" کا اسناد کر سکیں خواہ یہ علم اپنی جگہ لامتناہی ہی کیوں نہ ہو۔ بدقسمتی سے یہاں زبان ادائے مطلب سے قاصر ہے: ہمارے پاس اس علم کے لیے کوئی لفظ نہیں جو اپنے معلوم کا آپ ہی خالق ہو ؎۱

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ میں اس کی حکمت کا بڑا دخل ہے۔ اس کی لاانتہا اور لامحدود طاقت کا اظہار کسی بے راہ اور من مانے طریق پر نہیں ہوتا۔ اس میں ایک اصول۔ باقاعدگی، ایک نظم اور ترتیب کارفرما ہے۔ قرآن مجید کا اشارہ ہے کہ "جو بھی خیر ہے اسی کے ہاتھ میں ہے ؎۲

Bi. P. 74 ۱؎

Id. P. 98 ۲؎

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب ذرا ہم اقبال اور وجودی مفکرین کے افکار کا موازنہ کریں۔ کرکے گارڈ یاسپرس اور مارشل نے عقلی اعتبار سے منطقی دلائل سے اور سائنٹفک اصول سے اللہ تبارک تعالیٰ کے تصور اور علم سے انکار کیا۔ اور محض ایقان اور اعتقاد سے اللہ کو حاصل کرنے کا ذریعہ گردانا۔ لیکن اس کے برعکس علامہ اقبال نے کس عمدگی سے عقل، سائنس، نفسیات اور شعور کے آئینہ میں اللہ تبارک تعالیٰ کی وحدانیت تو الد اور تناسل سے اللہ کا منزہ ہونا۔ اللہ تبارک تعالیٰ کی مطلقیت، خالقیت، قدرت کاملہ، دیمومیت اور ان کے نظم و ضبط کا مرقع پیش کیا اور اس کے بعد ایقان اور اعتقاد کے منصب پر خرد متناہی کو فائز کیا۔ یاسپرس کے یہاں "وجود بجائے خود ماورائی ہے۔ اور اس کا ادراک محض ایک تاثر ہے۔[1]

اقبال کے یہاں بھی وجودِ مطلق ماورائی ہے۔ لیکن ماورائی ہونے کے باوجود بھی ہم اپنے وارداتِ شعور کے پیشِ نظر اس کا تصور قائم کرتے ہیں اور اس وجودِ مطلق کا انکشاف ہمارے اپنے محسوسات اور مدرکات میں ہوتا ہے جس کی بنا پر ہم حقیقت مطلقہ کو ایک بابصیرحیات گردانتے ہیں۔

کرکے گارڈ کے تصور انتخاب کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کسی معیار کا تعین نہیں ہو سکتا۔ اس کے مطابق جو کچھ میں انتخاب کروں اور اس کے لئے کوئی معیار مقرر ہو تو میں ذاتی طور پر کچھ انتخاب کرنے کے بجائے معیار کو چن لیتا ہوں۔ لہٰذا عمل انتخاب کسی بھی طرح متعین نہیں ہونا چاہیئے۔[2]

لیکن اس کے برعکس علامہ فرماتے ہیں "میری شخصیت کا یہ مطلب نہیں کہ آپ مجھے شے سمجھیں۔ میں شے نہیں، عمل ہوں۔ میرے محسوسات و مدرکات کیا ہیں۔ اعمال و افعال کے وہ سلسلے جن میں ہر عمل دوسرے پر دلالت کرتا ہے اور جو ایک دوسرے سے وابستہ ہے تو اس لئے کہ ان میں کوئی رہنما مقصد کام کر رہا ہے۔ اگر آپ سچ مچ مجھ کو جاننا چاہتے ہیں تو آپ کو مجھے دیکھنا ہوگا۔ آپ کو دیکھنا ہوگا کہ میں جب کسی شے پر حکم لگاتا ہوں یا کوئی اور ارادہ کرتا ہوں تو اس میں میرا عندیہ کیا ہوتا ہے۔ میرے مقاصد کیا ہیں

---

[1] F. COPLESTON. CONTEMPORARY PHILOSOPHY, P. 163

[2] ENCYCLOPAEDIA OF PHILOSOPHY. VOL. 4, P. 337

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور تمنا ٹیں کیا۔ یوں ہی آپ میری ذات کی ترجمانی کریں گے، مجھ کو سمجھیں گے اور جان لیں گے [۱]

اس طرح خودی کے اعمال و افعال میں ہدایت ادب با مقصد ضبط و تصرف کے دوگانہ عناصر کارفرما ہوتے ہیں [۲]۔

لہذا علامہ کے نزدیک انتخاب کرنے کے لئے رہنما مقصد نہایت ہی لازمی اور ضروری ہے وہ رہنما مقصد کیا ہے۔ اقبال نے اسرارِ خودی، ساقی نامہ اور اکثر دوسرے مقامات پہ اس ضروری سوال کا جواب دیا ہے۔ تفصیل میں جانے کے لئے کافی وقت اور ضخامت درکار ہے لہذا ایک جملہ ہی میں اس طرح ادا کروں گا کہ "یہ انا کے اندر زندگی کے عمل کی تکمیل ہے"؛ اس عظیم مقصد کے لئے انا کو تین منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ ۱۔ قانون کی پابندی (اطاعت) ۲۔ ضبطِ نفس اور ۳۔ نیابت الٰہی۔ اقبال نے ان تینوں مراحل کی تشریح "اسرارِ خودی" اور اپنے لکچر "خودی" "جبر و قدر" اور "حیات بعد الموت" میں تفصیل سے کی ہے، مختصراً میں یہ عرض کروں گا کہ اطاعت قانون الٰہی یا شریعت کی اطاعت ہے۔

در اطاعت کوش اے غفلت شعار می شود از جبر پیدا اختیار
ناکس از فرماں پذیری کس شود آتش ار باشد ز طغیاں خس شود

آخر کا بند ہے۔

شکوہ سنج سختی آئین مشو از حدود مصطفیٰ بیروں مرو [۳]

ضبط نفس یا نفس پر قابو پالینے کا مطلب اپنی ذات کا تعین اور اپنی شخصیت کا احساس کر لینا ہے۔ اور یہ انانیت کی سب سے اعلیٰ صورت ہے۔ اس کا مطلب اپنی رائے میں آزاد ہونا اور اپنے اقوال، احساسات اور افعال میں خود حکمراں ہونا ہے نہ کہ دوسروں کے احکامات کی پیروی کرنا۔

مرد شو آور زمامِ او بکف تا شوی گوہر اگر باشی خزف
ہر کہ بر خود نیست فرمانش رواں می شود فرماں پذیر از دیگراں

۱۔ EQBAL. RECONSTRUCTION OF Religious Thought in Islam, P 98.

۲۔ Ibid. PP. 102, 103

۳۔ اسرارِ خودی، رموزِ بیخودی۔ علامہ اقبال۔ صفحہ ۴۴۔ ۴۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نفس پر قابو پانے اور خوف، ریاکاری، فحاشی، گداگری اور تن پروری سے بچنے کے لئے اقبال اسلام کے ارکانِ خمسہ توحید، صلوٰۃ اور حج اور زکوٰۃ کو بہت ضروری سمجھتے ہیں۔

لا إله باشد صدف گوہر نماز | قلبِ مسلم را حجِ اصغر نماز
در کفِ مسلم مثالِ خنجر است | قاتلِ فحشا و بغی و منکر است
روزہ بر جوع و عطش شبخوں زند | خیبرِ تن پروری را بشکند
مومناں را فطرت افروز است حج | ہجرت آموز و وطن سوز است حج
دل بہ حتیٰ تنفقوا محکم کند | زر فزاید الفت زر کم کند
ایں ہمہ اسباب استحکام تست | پختہ محکم اگر اسلام تست[۱]

نیابتِ الٰہی خودی کی آخری منزل ہے۔ نیابتِ الٰہی کے متعلق اقبال ڈاکٹر نکلسن کو لکھتے ہیں۔

"نیابتِ الٰہی اس زمین پر انسانی نشوونما کا تیسرا اور آخری درجہ ہے۔ نائب کی حیثیت کرۂ زمین پہ خلیفۃ اللہ کی ہے۔ وہ کامل ترین انا ہے۔ وہ انسانیت کا مقصد اور ذہنی اور جسمانی دونوں قسم کی حیات کا منتہیٰ ہے۔ اس میں ہماری ذہنی زندگی کی بے آہنگی ہم آہنگی بن جاتی ہے۔ اس زندگی میں خیال و عمل استدلالی اور فکری علم سب ایک ہوجاتے ہیں۔ نخلِ انسانیت کا وہ آخری ثمر ہے۔ نوعِ انسان کا وہ حقیقی حاکم ہے۔ اس کی حکومت خدا کی حکومت ہے۔ ارتقا میں ہم جتنا آگے بڑھتے ہیں اتنا ہی اس سے نزدیک ہوتے جاتے ہیں۔ اس تک پہنچتے ہیں ہم معیارِ حیات کے اعتبار سے اپنے آپ کو بلند کرتے ہیں[۲]۔

ترا جلال و جمال مردِ خدا کی دلیل | وہ بھی جلیل و جمیل تو بھی جلیل و جمیل[۳]

---

[۱] اسرارِ خودی و رموزِ بیخودی۔ علامہ اقبال۔ صفحہ ۱۵۴۔۱۴۷

[۲] سعید احمد رفیق۔ اقبال کا نظریۂ اخلاق۔ (ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ) ص ۱۰۵

[۳] کلیاتِ اقبال اردو۔ صدی ایڈیشن۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس۔ علی گڑھ۔ بالِ جبریل۔ مسجدِ قرطبہ۔ ص ۳۸۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ — غالب و کار آفریں کارکشا و کارساز
خاکی و نوری نہاد بندۂ مولا صفات — ہر دو جہاں سے غنی اس کا دلِ بے نیاز
نرم دمِ گفتگو گرم دمِ جستجو — رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز
نقطۂ پرکارِ حق مردِ خدا کا یقین — اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز
عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ — حلقۂ آفاق میں گرمیٔ محفل ہے وہ[۱]

اب آیئے ذرا اقبال کی روشنی میں کرکے گارڈ کے تصور کا جائزہ لیں Either or میں کرکے گارڈ انسانی زندگی کو تین مراحل میں تقسیم کرتا ہے۔ ۱۔ جمالیاتی ۲۔ اخلاقی اور ۳۔ مذہبی جمالیاتی اور اخلاقی سطحوں پر فرد آزاد نہیں ہے۔ مذہبی سطح پر فرد آزاد ہے۔ وہ اپنے اندرونی آواز کی تابع ہے۔ فرد کی آزادی مکمل ہے اور وہ اپنی کائنات خود انتخاب کرتا ہے۔ کرکے گارڈ جمالیاتی اور اخلاقی مراحل کو دو کردار کے ذریعہ ادا کرتا ہے۔ جمالیاتی نقطہ نظر ایک نوجوان آدمی ادا کرتا ہے اور اخلاقی ایک بزرگ آدمی پیش کرتا ہے۔ ان دو متبادل نقطہائے نظر میں کرکے گارڈ اخلاقی نقطہ نظر کے حق میں بحث زیادہ کرتا ہے۔ ایک طرف تو کرکے گارڈ کہتا ہے کہ اختیار یا چننے میں کوئی معیار نہیں ہونا چاہیئے۔ لیکن دوسری طرف وہ اخلاقی نقطۂ نظر کو فوقیت دینے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک اقتباس میں کرکے گارڈ کہتا ہے کہ اگر آدمی کافی اشتہا (PASSION) اور خواہش کے بعد چنتا ہے تو یہ اشتہا یا خواہش اختیاری فعل کے لئے کی گئی غلطیوں کا بھی ازالہ کرے گی۔[۲]

اخلاقی درجہ سے مذہبی درجے تک منتقل ہونے کے عمل کو واضح کرنے کے لئے حضرت ابراہیم کی مثال دی جاتی ہے۔ خدا حضرت اسمٰعیل کی قربانی مانگ کر حضرت ابراہیم سے ایک ایسا تقاضا کرہا ہے جو خلافِ اخلاق ہے لیکن حضرت ابراہیم کو ایمانی جست (LEAP OF FAITH) لگانی ہے

---

[۱] کلیاتِ اقبال اردو۔ صدی ایڈیشن۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس۔ علیگڈھ۔ بالِ جبریل۔ مسجدِ قرطبہ ص ۳۸۸

[۲] KIERKEGAARD, EITHER/OR, P. 223 — ص ۳۹۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسے موقع پر آدمی کو بے معیار مرضی سے کام لینا پڑتا ہے۔ عام اور آفاقی اصول یہاں اس کی مدد نہیں کر سکتے ہیں۔ یہاں فرد کو اپنے ہی تابع کام کرنا ہے [۱]

اب ذرا اقبال کی تین منازل اطاعت، ضبط نفس اور نیابت الٰہی کو دیکھئے اور کرکے گارڈ کے تین مراحل جمالیاتی، اخلاقی اور مذہبی کا تجزیہ کیجئے۔ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ صرف فرق ہی نہیں بلکہ ایک کا دوسرے سے کوئی تانا بانا ہی نہیں ملتا ہے۔ میں ایک اہم نکتہ کی وضاحت یہاں پر کردوں کہ اقبال کے فلسفہ میں "انا" یا "فرد" شروع ہی سے آزاد اور مطلق آزاد رہتا ہے۔ آزادی فرد کی صفت ہے۔ بغیر آزادی کے عمل کا مفہوم واضح نہیں ہوسکتا اور بغیر عمل کے تخلیق ناممکن ہے۔ لہٰذا خودی کے استحکام کے لئے فرد شروع سے ہی اپنی آزادی سے تخلیق میں سرگرم عمل رہتا ہے۔ لیکن کرکے گارڈ کے یہاں مذہبی سطح پر آکر فرد میں مکمل آزادی ہوتی ہے۔ دوسرے حضرت ابراہیم کے لئے حضرت اسمٰعیل کی قربانی ایک ایقانی جست ہے مگر اخلاقی جرم۔ لیکن اقبال کے یہاں یہ خودی کا درجہ کمال ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اقبال کہتے ہیں کہ۔

صدق خلیل بھی ہے عشق — صبر حسین بھی ہے عشق
معرکہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق [۲]

یہ اخلاقی، روحانی، مذہبی اور نفسیاتی ہر اعتبار سے بلند و برتر مقام ہے۔ یہ محض ایقانی جست نہیں ہے بلکہ عمل و کردار کی پختگی کا ثمرہ ہے۔ ایمان کی کسوٹی ہے اور عشق کی پختگی ہے۔ کہاں کرکے گارڈ اور کہاں اقبال؟ ہمارے پاس کوئی ایسا ثبوت نہیں ہے جس سے ہم یہ کہہ سکیں کہ اقبال نے براہ راست وجودی مفکرین کا مطالعہ کیا یا ان سے اثر لیا۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ اقبال کے افکار پر نطشے کا اثر تھا اور نطشے وجودیت کا موسس مانا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے اقبال گو کہ براہِ راست نہیں تو کم از کم بالواسطہ وجودیت

---

[۱] ENCYCLOPAEDIA OF PHILOSOPHY, VOL. 4, PP. 338-39

[۲] کلیات اقبال۔ بال جبریل۔ ذوق و شوق۔ ص ۴۰۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے مستفید ہوئے تھے۔ جہاں تک اقبال پر نطشے کے تتبع کا الزام ہے یہ سراسر غلط ہے۔ اس کی کہانی خود اقبال کی زبانی سنیئے۔ اقبال پروفیسر نکلسن کو ایک خط میں لکھتے ہیں کہ

"بعض انگریز تنقید نگاروں نے اس سطحی تشابہ اور تماثل سے جو میرے اور نطشے کے خیالات میں پایا جاتا ہے دھوکا کھایا ہے اور غلط راہ پر پڑ گئے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ انسان کامل کے متعلق میرے تخیل کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے غلط بحث کر کے میرے انسان کامل اور جرمن مفکر کے فوق الانسان کو ایک ہی چیز فرض کر لیا ہے۔ میں نے آج سے تقریباً بیس سال قبل انسان کامل کے متصوفانہ عقیدے پر قلم اٹھایا تھا اور یہ وہ زمانہ ہے جب نہ تو نطشے کے عقائد کا غلغلہ میرے کانوں تک پہنچا تھا نہ اس کی کتابیں میری نظر سے گذری تھیں[1]۔

اقبال اپنے چوتھے خطبے میں "خودی" جبر و قدر اور حیات بعد الموت" میں نطشے کا عقیدہ 'رجعت ابدی' کے متعلق فرماتے ہیں۔" رجعتِ ابدی کی بنا اس مفروضے میں ہے کہ کائنات میں توانائی کی مقدار ہمیشہ یکساں رہتی ہے۔ اقبال اس کی تنقید کرتے ہیں اور مزید کہتے ہیں "اس عقیدے کو میکانیت کی ایک کڑی سے تعبیر کرنا چاہیئے - نطشے نے زمانے کا صحیح تصور پیش نہیں کیا ہے۔ اس کے علاوہ نطشے کا فوق البشر کسی آرزو اور تمنا کا سبب نہیں بن سکتا کیوں کہ انسان کو کسی نادر اور اچھوتی شے کی تمنا ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ خطرہ اس تقدیر پرستی سے بھی بدتر ہے جس کو لفظ 'قسمت' سے ادا کیا جاتا ہے۔ یہ وہ عقیدہ ہے جس سے رحجانات عمل فنا ہو جاتے ہیں اور خودی اپنا اطناب کھو بیٹھتی ہے[2]

اقبال ہر اس نظریہ' ہر اس تحریک اور ہر اس فکر کی شدت سے مخالفت کرتے ہیں جو فکر' جو نظریہ اور جو تحریک ان کے فلسفے خودی کے مانع آتی ہے۔

وجودی مفکرین عام طور پر انسان کی زندگی کو ناول اور ڈراما کے ذریعے پیش کرتے ہیں

---

[1] اقبال نامہ ص ۴۵۱۔

[2] RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHT IN ISLAM P. 109.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ زندگی کے وجود کو اس مرحلے[1] سے لیتے ہیں جہاں سے انسان شعوری طور پر اپنی زندگی شروع کرتا ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے جہاں وہ کہتا ہے کہ "وجود کو عین پر تقدم ہے"۔ پھر وہ اس گوشت پوست کی انسانی زندگی کا تجزیہ کرتے ہیں۔ اس زندگی میں دُکھ بھی ہے اور درد بھی۔ خوف بھی ہے اور ہراس بھی۔ یاس بھی ہے اور حزن بھی۔ کامیابی بھی ہے اور ناکامی بھی۔ اس کے بعد زندگی موت سے ہمکنار ہوتی ہے اور وجودی فکر کا موت کے ساتھ خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ہر وجودی مفکر آیا وہ خدا کا اقرار کرتا ہو یا خدا کا منکر ہو۔ انسانی زندگی کے تجزیہ میں صرف شعوری زندگی سے شروع کر کے لحد کے پہلے تک ہی اس کو محدود رکھتا ہے۔ چوں کہ وہ مفکرین جو خدا پر ایمان رکھتے ہیں ان کے یہاں خدا پر ایمان صرف ان کا یقین ہے صرف ان کی موضوعیت (SUBJECtivity) ہے جو کسی فکری نظام یا تصورات کے ذریعہ پیش نہیں کی جا سکتی ہے۔ اس کے برعکس اقبال کی "انا" اقبال کا فرد اپنی زندگی کو ابتدا ہی سے شروع کرتا ہے۔ اقبال نے قصہ آدم میں آدم کی جنت کی زندگی کو جبلت کی زندگی اور دنیاوی زندگی کو عمل، اختیار، تخلیق اور آزادی کی زندگی کہا ہے۔ ابتدا میں فرد کی آزادی اور تخلیقی قوت کمزور رہتی ہے۔ آدم کی نافرمانی پہلا اختیاری عمل تھا[2]۔

ابتدا میں انسان ناتجربہ کار ہوتا ہے۔ اس میں پختگی نہیں ہوتی ہے۔ لیکن آہستہ آہستہ ایک نصب العین کے تحت، ایک ضابطے کے مطابق فرد اپنی تخلیقی قوت اور آزادی میں اپنے پیہم عمل سے پختگی حاصل کرتا ہے۔ وہ ماحول کا مقابلہ کرتا ہے۔ دُکھ، درد، کامیابی، ناکامی، صحیح اور غلط واسطے کو اختیار کرتے ہوئے پھر دوراہے پر انتخاب کرتے ہوئے اپنی منزل کی تلاش میں چلتا رہتا ہے۔ اس کی یہ تلاش، اس کی یہ جستجو، اس کی یہ لگن، اس کا یہ شوق جاری رہتا ہے حتیٰ کہ موت بھی اس کو ختم نہیں کر پاتی ہے۔ موت تو صرف ایک راستہ ہے، ایک وقفہ ہے جو انسان کو اپنے ماضی پر غور و فکر کا موقع دیتی ہے اور پھر زندگی آگے بڑھ جاتی ہے۔ اقبال کے یہاں ایک ارتقا کا فلسفہ ہے جو وجودی

---

[1] برائے تفصیل ملاحظہ ہو تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ علامہ اقبال کے انگریزی خطبات کا اردو ترجمہ از سید نذیر نیازی۔ بزم اقبال لاہور ص ۱۲۴ تا ۱۲۹۔

[2] ایضاً۔ ص ۱۸۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ارتقائی فلسفہ سے ملتا جلتا ہے۔ جہاں زندگی جمادات، نباتات اور حیوانات کی دنیا سے گذرتے ہوئے عالمِ انسانی میں داخل ہوتی ہے اور یہ اس کی حد نہیں ہے۔ بلکہ اس کی زندگی ابدی ہے، ترقی جاری وساری ہے اور جاری وساری رہے گی۔ [1]

دما دم رواں ہے یمِ زندگی ہر اک شے میں پیدا رمِ زندگی
اسی سے ہوئی ہے بدن کی نمود کہ شعلے میں پوشیدہ ہے موجِ دود
فریبِ نظر ہے سکون و ثبات تڑپتا ہے ہر ذرۂ کائنات
ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود کہ ہر لحظہ ہے تازہ شانِ وجود [2]

وجودی مفکرین انسان کی آزادی اور تخلیقی کارنامے کے دعویدار ہیں لیکن کرکے گارڈ میں مکمل آزادی صرف مذہبی مرحلے پر ہے۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کوئی مقصد یا غایت، کوئی معیار یا کوئی لائحہ عمل وجودی مفکر پیش نہیں کرتے ہیں لیکن اس کے برعکس اقبال انسان کی مکمل آزادی اور تخلیقی صلاحیت کو تسلیم کرتے ہیں مگر ساتھ ہی ساتھ ایک لائحہ عمل بھی پیش کرتے ہیں۔ اقبال کے یہاں ایک مقصد ہے، ضبط ہے، نظم ہے، اور یہ ضبط اور نظم صرف متناہی فرد میں ہی نہیں بلکہ وہ اس کو اپنی ادراک اور محسوسات کی مدد سے فردِ مطلق میں بھی پاتے ہیں لائحہ عمل کے تحت اقبال ایک باضابطہ اخلاقی فلسفہ پیش کرتے ہیں۔ جس میں ایجابی اور سلبی اقدار ہیں۔ یہ اقدار انفرادی بھی ہیں اور اجتماعی بھی۔ وجودیت اسی قسم کے فلسفہ اخلاق سے یکسر خالی ہے۔

اقبال نے عشق اور عقل پر باقاعدہ بحث کی ہے۔ اس نے تجزیہ۔ علم۔ عقل۔ عشق اور وجدان کو یکسر سراہا ہے۔ عقل کی حد کو قائم کیا ہے لیکن اس کی عظمت کا اقرار کیا ہے

---

[1] انگریزی خطبات کا اردو ترجمہ از سید نذیر نیازی ۱۹۵۸ء

[2] کلیاتِ اقبال اردو۔ بالِ جبریل۔ ساقی نامہ۔ ص ۱۴۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وجودیت میں اس طریقے کا باقاعدہ فلسفہ بالکل نہیں ملتا۔ لہٰذا جس نقطۂ نظر سے دیکھیں اقبال اور وجودیت میں کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ خودی کی ایک نمایاں خصوصیت جسے اقبال خودی کی وحدت کہتے ہیں اور جو خودی کی خفا یا خلوت کا پہلو ہے وہ وجودیت کی موضوعی داخلی کشمکش ہے۔

اقبال اسے اس طرح سمجھاتے ہیں کہ اگر میرے دانت میں درد ہے تو یہ تو ممکن ہے کہ اس درد میں دندان ساز مجھ سے ہمدردی کا اظہار کرے لیکن درد کا احساس تو مجھ ہی کو ہوگا دندان ساز کو نہیں ہوگا۔ ایسے ہی میرے احساسات، میری نفرت اور میری محبت میرے احساسات، میری نفرت اور میری ہی محبت ہے۔ جیسے میرے فیصلے اور میرے عزائم میری اور صرف میری ذات کا حصّہ ہے۔ خدا بھی تو ایسا نہیں کرے گا کہ میری جگہ خود محسوس کرنا یا حکم لگانا شروع کردے [عہ]

یہی تصور دوستوفسکی نے اپنے ناول "MEMOIRS FROM THE HOUSE OF THE DEAD" اور ٹالسٹوائے نے اپنی کہانی ایوان ایلیچ کی موت "THE DEATH OF IVAN ILLYICH" میں پیش کیا ہے[1]۔ اس تصور کو ہیڈیگر نے "AUTHENTIC MEANING OF DEATH" کہا ہے[2]

اس کا خیال ہے کہ یہ ہماری ہستی کا اندرونی امکان ہے۔

(THE INNER POSSIBLITY OF MY OWNBEING)[3]۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر اقبال تو کیا سارے عالم کو اتفاق ہے۔

---

[1] WILLIAM BARRETT, IRRATIONAL MAN (PRINTED IN GREAT BRITAIN BY BUTLER AND TANNER LTD., 1961), P. 124.

[2] IBID, P 124

[3] FOR DETAIL SEE: H.J. BLACKHAM SIX EXISTENTIALIST THINKERS, (REPRINTED BY ARRANG WITH THE MACMILLAN COMPANY, 1959), P96.

[عہ] RECONSTRUCTION OF RELIOUS THOUGHT IN ISLAM P.98

© rasailojaraid.com